حنا خالد محمود

رشتے الفت کے

"سنیعہ! میں بہت خوش ہوں اتنا کہ بتا نہیں سکتی۔"

"وہ کیوں؟" سنیعہ متجسس ہوئی۔

"آج صبح میں نے تمہارے بھائی سے اپنی ڈسٹ الرجی کے متعلق بات کی تو....."

ابھی اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ اسے الفت بیگم آتی دکھائی دیں۔ اس نے فوراً سے پیشتر اپنا جملہ اور لہجہ دونوں ہی بدل لیے اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے بولی۔

"تو وہ کہہ رہے تھے کہ سامعہ تم پریشان کیوں ہوتی ہو، بہت جلد میں شہر میں تمہارے لیے ایک چھوٹا سا لیکن صاف ستھرا گھر لے کر دوں گا۔"

آواز خاصی بلند تھی تاکہ الفت بیگم بخوبی سن سکیں۔

"کیا واقعی بھائی نے یہ کہا ہے؟" سنیعہ اچھی خاصی حیران ہوئی کیونکہ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ اس کا اتنا مہذب اور ماں کا فرماں بردار جیجا جی ایسا کچھ کرنے کا سوچ بھی سکتا ہے۔

سامعہ سمیت اس کے گھر والے بخوبی جانتے تھے کہ مظفر کو اس دنیا کی نعمتوں میں سے اپنی بیوہ ماں اور آبائی گھر سے کتنا پیار ہے۔ مظفر نے اپنے اس والہانہ پیار کی حقیقت کئی بار ان پر آشکار کی تھی۔ مظفر اور سامعہ کا رشتہ بھی اسی شرط پر طے ہوا تھا کہ مظفر اپنی زندگی میں کبھی بھی اپنا آبائی گھر نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ موت کا ڈر نہ ہو۔ سو سنیعہ کا حیران ہونا بجا تھا۔

"ہاں ہاں سنیعہ، رات ہی مظفر نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ بہت جلد مجھے ایک سرپرائز دے گا۔ اگلے ماہ اس کی پروموشن بھی ہونے والی ہے اور سیلری بھی ڈبل ملے گی۔"

وہ اچھی خاصی پرجوش ہو کر بتا رہی تھی جبکہ سنیعہ دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ سامعہ کا ضمیر تو بدلے کی آگ میں جل کر مر چکا تھا لیکن اس کا ضمیر بہر حال زندہ تھا۔

"بات تو اس کی بھی ٹھیک ہے یار، جو وہ مجھے گھر لے کر دے رہا ہے۔ اب یہ ٹھیک جسٹیفکیشن کیا کرے جب ان بوڑھوں کو اپنے پرانے گھروں سے پیار ہی اتنا ہوتا ہے۔ ان کی اپنی زندگی تو ان گھروں میں کھپ گئی ہوتی ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد بھی ان قبروں نما گھروں میں مر کھپ جائے۔" وہ اچھے خاصے طنز سے تینتالیس سالہ الفت کو بوڑھوں میں شمار کر رہی تھی۔

اس کی اس بات پر جہاں سنیعہ نے غصے سے کھٹاک سے فون بند کیا وہیں الفت بیگم بھی برآمدے میں موجود کرسی سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئیں۔

وہ برآمدے میں کھلی روشنی میں اپنی شال پر

www.dailyurdubooks.com
URDUBooks

کڑھائی کرنے آئی تھیں۔ سامعہ کی باتوں نے انہیں اتنا دل برداشتہ کیا کہ وہ کمرے میں آ کر لیٹ گئیں اس وقت انہیں بس تنہائی درکار تھی۔

☆☆☆

زندگی اچھی خاصی اپنے ڈگر پر چل رہی تھی کہ یک دم احسن کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ کبھی ٹانگوں میں درد تو کبھی پیٹ میں۔ کبھی بخار تو کبھی غلو۔ روز بروز بگڑی حالت کا نتیجہ کہ فیکٹری سے چھٹیاں بھی بڑھنے لگیں۔ تنگ آ کر فیکٹری والوں نے نکال دیا تو پریشانیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

گھر کے حالات روز بروز خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔ مظفر کی اسکول میں داخل ہونے کی عمر تھی لیکن وہ گھر بیٹھا ہوا تھا۔ مجبوراً احسن کا علاج کروانے کے لیے اور گھر کا خرچا چلانے کے لیے الفت بیگم کو گھر سے باہر قدم نکالنے پڑے۔ جس دن بی۔ اے پاس الفت جاب کی تلاش میں گھر کی دہلیز سے باہر قدم نکال رہی تھیں احسن ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں تک رہے تھے۔ اس شام جب وہ گھر لوٹی تو جاب تو نہیں ملی تھی البتہ احسن کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ مجبوراً الفت کو اپنے غریب باپ کو فون کرنا پڑا۔

ان کا باپ صبح صبح ہی ان کی دہلیز پر موجود تھے۔ بے چارے شاید رات میں ہی نکل پڑے جبکہ بھائی بھابھی کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے ان کے پاس جو تھوڑی بہت جمع پونجی تھی وہ بھی ساتھ ہی لے آئے۔ وہاں آ کر داماد اور بیٹی کے گھر کی جو حالت دیکھی تو انہیں اچھا خاصا رنج ہوا۔

خوب تو الفت سے لڑے کہ انہیں اتنے دن کیوں بے خبر رکھا۔ اور پھر محلے سے احسن کو وہ شہر کے ہسپتال لے گئے۔ احسن کے مکمل چیک اپ کے بعد انہیں یہ روح فرسا خبر ملی تھی کہ "احسن کو بلڈ کینسر ہے۔" کینسر بھی آخری اسٹیج پر تھا۔ غلام نبی جیسے آئے تھے تین دن بعد ایسے ہی واپس لوٹ گئے تھے۔ الفت سخت کبیدہ خاطر تھیں کہ باپ بھی چند روز اور نہ رک سکا۔

اور پھر وہ دو چار دن بعد ہی واپس آ گئے تھے۔ اس بار ان کے ہاتھ میں ایک کالے رنگ کا بیگ تھا۔

"مجھے معاف کر دینا بیٹی۔ میں نے تمہاری شادی ایک اکیلے لڑکے سے اس لیے کی تھی تاکہ تمہیں ساس نند اور دیورانی جٹھانی کی جھنجٹ نہ دیکھنی پڑے۔ مگر یہ میری بھول تھی۔ آج اگر تمہارا کوئی سسرالی رشتہ دار ہوتا تو تمہیں یہ کٹھن وقت نہ دیکھنا پڑتا۔" وہ بہتے آنسوؤں کے درمیان بول رہے تھے۔

"میں نے پہلے ایک غلطی کی مگر میں اب دوسری غلطی نہیں کر سکتا۔ میں اپنی زندگی میں ہی تمہارا جو بھی حصہ تھا وہ لے آیا ہوں۔" انہوں نے کہتے ہوئے بیگ الفت کی طرف بڑھا دیا۔

"تمہارے بھائی بھابھی بہت ناراض ہو رہے تھے وہ تو استغفر اللہ یہ بھی کہہ رہے کہ الفت کا حصہ مت لے کر جاؤ۔ احسن کے مرنے کے بعد اس نے آنا تو یہیں ہے۔"

الفت افسردہ سی بیگ تھامے بھائی بھابھی کے بارے میں سن رہی تھیں۔ کیا کوئی اتنا پتھر دل بھی ہو سکتا ہے۔

غلام نبی بھی چند دن رہ کر پھر واپسی کی راہ ہو لیے تھے۔ کب تک پڑے رہتے۔ ان کے جانے کے بعد الفت نے پیسہ پانی کی طرح شوہر کے علاج پر بہایا۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے جواب دے رکھا تھا لیکن پھر بھی ایک امید سی تھی۔ لیکن ان کی امید نہ بر آئی اور ایک شب احسن بغیر ان سے کچھ کہے اور سنے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند گئے۔

اس دن وہ دھاڑیں مار مار کر روئی تھیں۔ اس جوان مرگ پر ہر کسی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بوڑھے غلام نبی بیٹی کو شادی کے سات سال بعد ہی بیوگی کی چادر اوڑھے دیکھ کر اور بھی زیادہ کمزور اور ضعیف ہو گئے تھے۔

معصوم سا مظفر بھی سفید چادر میں لپٹے باپ کو

www.dailyurdubooks.com

دیکھتا تو کبھی روتی چیختی ماں کو ڈرے، سہمے اور گھبرائے ہوئے مظفر کو الفت نے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ انہیں ہمت نہیں ہارنی تھی اگرچہ سامنے پہاڑ سی زندگی اور وسائل کے نام پر ایک چٹیل میدان تھا۔ جس میں صرف ریت ریت دکھتی تھی۔ انہیں اپنی ہمت برقرار رکھنی تھی اس معصوم جان کے لیے۔

احسن کے کفن دفن کے بعد غلام نبی الفت کے لاکھ منع کرنے کے باوجود عدت کے لیے انہیں اپنے ساتھ ہی لے آئے۔ وہاں آ کر انہیں سب کتنا اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔ ایک وقت تھا وہ اس گھر میں کتنے استحقاق سے رہتی تھیں۔

دل میں احسن کی موت کا بہت غم تھا لیکن پھر بھی وہ اپنی زندگی کو ایک معمول پر لے آئی تھیں۔ ہاتھ پاؤں پھیلا کر بیٹھے رہنے سے زندگی نہیں کٹتی تھی۔ مظفر بھی بھائی بھابھی کے بچوں کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ اچانک سے انہیں لگنے لگا کہ مظفر اکیلا اکیلا رہتا ہے۔ بھائی کے تینوں بچے گھر کے صحن میں کھیلنے کے بجائے زیادہ تر کمرے میں رہتے ہیں۔ ان کی یہ فکر بھی ایک دن مظفر نے ہی دور کر دی جب اس نے بتایا۔

"مما! بلال اور صارم میرے ساتھ نہیں کھیلتے کیوں کہ ان کی مما کہتی ہیں کہ میں ان کے کھلونے توڑ دوں گا۔" اس کی اس بات پر جہاں الفت نے فوراً پاس بیٹھے باپ کو دیکھا وہیں وہ نظریں چرا گئے۔

بھابھی کے میکے والے آئے تو وہ الفت کے لیے سبزی بناتی اور بھائی مہمانوں کے لیے روسٹڈ چکن ان دونوں باپ بیٹی سے چھپا کر لے آتا۔ اس کا بھی الفت کو اس وقت پتا چلتا جب صفائی کر کے کوڑا کرکٹ ڈسٹ بن میں ڈالتیں تو اس میں اس کے شاپر اور ڈسپوزل ڈبے پڑے ہوتے۔

بعد میں بھابھی ہر آئے گئے کے آگے کہتی

"اب تو ہمارے گھر میں مہمانوں کے لیے چکن یا گوشت تک نہیں بنتا کیونکہ بجٹ اجازت نہیں دیتا۔ اکیلا رفاقت کمانے والا اور نو دس افراد کھانے والے۔"

الفت کو سب سمجھ میں آتا تھا لیکن انہوں نے چپ سادھ رکھی تھی۔ بوڑھے باپ بھی بیٹی سے نظریں چرائے پھرتے۔

اس کی عدت میں ایک ماہ باقی تھا جب بھابھی کے میکے سے اس کی بہن اور بہنوئی ملنے آئے۔ انہوں نے سلام دعا کے بعد گھر کے کام کرنے شروع کر دیے۔ وہ کسی کام کی غرض سے بھابھی کے کمرے میں آئیں۔ تو اپنا نام سن کر رک جانا پڑا۔ بھابھی دھیرے دھیرے اپنی بہن سے باتیں کر رہی تھی۔

"جب الفت کو پتا تھا کہ شوہر مرنے کے دم پر ہے اور اس کا سسرال میں کوئی سہارا بھی نہیں ہے تو اس نے پتا نہیں کیوں سسر جی کو مجبور کیا حصے کے لیے۔ اب دیکھو نا اس گھر میں رہے گی تو اسے چھوٹا موٹا گھر بھی بنا کر دینا پڑے گا اور کھانے کو بھی۔ پھر اس کا بچہ؟ غیر خون، پتا نہیں ہمارے بچے اسے قبول کریں گے بھی یا نہیں۔ اور آج کل تو زمانہ خراب ہے۔ ہماری بیٹیاں بھی جوان ہوں گی تو پتا نہیں اس کے کیا رنگ ڈھنگ ہوں گے۔ میرے بچے تو ابھی سے اس کے ساتھ نہیں کھیلتے۔"

بھابھی اس کے چھ سال کے بچے پر ابھی سے کردار کشی کا فتویٰ صادر کر رہی تھی اور اس کی بہن لہجے میں زمانے بھر کی ہمدردی سموئے اس کی دلجوئی میں لگی ہوئی تھی۔

جس دن عدت کا آخری دن تھا۔ انہوں نے رات میں ہی زادِ راہ تیار کر لیا تھا۔ ان سوا چار مہینوں میں غلام نبی کو بھی شاید سب سمجھ میں آ گیا تھا اسی لیے وہ علی الصبح ہی رکشا کروا لائے۔ سارے محلے والوں نے بھابھی اور بھائی سمیت انہیں دعاؤں اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے رخصت کیا۔ رکنے کے بارے میں کسی نے نام بھی نہیں لیا۔ غلام نبی انہیں گھر تک چھوڑنے کے لیے خود بھی رکشے میں سوار ہو گئے۔

غلام نبی اسے گھر تک پہنچا کر واپس نہیں گئے تھے۔ بلکہ کچھ دن تک ان کے پاس ہی ٹھہر گئے تھے۔

www.dailyurdubooks.com

وہ روز صبح کے وقت نکل جاتے اور شام تک واپس آتے۔ اور پھر ایک دن جھکے سر کے ساتھ انہوں نے الفت کو بتایا کہ وہ ان کی نوکری کا بندوبست کر آئے ہیں۔ گاؤں کا نمبردار گاؤں کے ہی مڈل اسکول میں ان کی ٹیچر کی پکی نوکری لگوا دے گا مگر اس کے لیے پیسے چاہیے ہوں گے۔

الفت نے باقی بچے پیسے بھی باپ کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ یوں ان کی روزی روٹی کا بندوبست ہو گیا۔

جس دن ان کے باپ کو واپس اپنے گاؤں روانہ ہونا تھا اس دن صبح سے بادل تھے۔ الفت نے بہت کہا کہ آپ کل جائیں مگر وہ نہیں رکے ہر ماہ باقاعدگی سے آنے کا وعدہ کر کے وہ لوٹ گئے۔ ان کے جانے کے بعد کچھ دیر بعد ہی بارش شروع ہو گئی۔

وہ باپ کا سوچ کر سارا دن پریشان ہوتی رہیں وہ تو مظفر تھا جس سے ان کا دل کچھ دیر کے لیے باپ کی طرف سے بہل گیا تھا۔

مغرب کے بعد مظفر بھی ایک کونے میں چپ سا بیٹھ گیا۔ گھر میں یک دم ہی سناٹا اور گہرا سکوت انہیں شدت سے محسوس ہوا۔ وہ جواب تک باپ کا سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں یک دم ہی انہیں اپنی پریشانی نے آن گھیرا۔

اس رات الفت کو ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔ باہر زوروں کی بارش اور گھن گرج تھی۔ کبھی انہیں لگتا کہ کوئی باہر سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا ہے تو کبھی لگتا کہ احسن کا کفن میں لپٹا وجود ان کے سرہانے کھڑا ہے۔ کبھی ان کی خود کی اپنی آواز احسن کی میت پر بین کرتی ان کے کانوں میں سنائی دیتی۔

اور یہ رات آخری رات نہیں تھی بلکہ بعد میں آنے والی راتیں بھی اس سے ملتی جلتی کم و بیش اس جیسی ہی تھیں۔

کچھ دن بعد ابو بھی راہی عدم سدھارے تو ہر امید کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

وہ رات بھی اس رات جیسی طوفانی سرد اور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی خطرناک رات تھی۔ مظفر ایک طرف بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً گیارہ سال تھی۔ وہ روز الفت کے ساتھ اسکول جاتا جہاں گرلز اور بوائز اسکول ساتھ ساتھ ہی تھے۔ چھٹی کے وقت الفت کو ساتھ لینے اس کے اسکول ہی آ جاتا۔ جب تک الفت اپنے کام پورے نہیں کر لیتیں وہ وہیں بیٹھا رہتا۔

شام میں الفت محلے کی بچیوں کو ٹیوشن پڑھاتیں تو وہ گھر کے کاموں میں ان کی مدد کروا دیا کرتا اور اپنا کام عشاء کے بعد کرتا تھا۔

دن تو گزر ہی جاتا تھا لیکن راتوں میں الفت کو اب بھی اتنا ہی ڈر لگتا تھا۔

اس وقت بھی بہت ڈری سہمی ہوئی تھیں جب انہیں لگا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی ہے۔ ان کا دل اور زیادہ دھک دھک کرنے لگا۔ وہ اٹھ کر دروازے پر دیکھنے کے لیے جانے ہی والی تھیں کہ جب مظفر بولا۔

"امی! آپ ٹھہریں میں دیکھ کر آتا ہوں۔"

الفت بالکل ساکت رہ گئیں۔

ان کا بیٹا، ان کا مظفر ان کے اور ان کے خوف کے درمیان آن کھڑا ہوا۔ انہوں نے اس کے چہرے پر خوف یا گھبراہٹ کے آثار ڈھونڈنے چاہے مگر وہاں صرف اطمینان کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔

اس رات مظفر الگ بستر پر سویا تھا اور وہ الگ بستر پر۔ لیکن ایک پرسکون نیند کے ساتھ کیونکہ اس گھر میں ان کے علاوہ ایک چھوٹے بچے کی جگہ ان کا محافظ ان کا بیٹا موجود تھا۔

اس دن وہ اسکول بھی تفاخرانہ چال چلتے ہوئے گئی تھیں۔ ان پانچ سالوں میں اسکول جاتے ہوئے انہیں پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا کہ لوگوں کی حریص اور غلیظ نگاہیں انہیں نہیں تک رہی تھیں کیونکہ ان کے ساتھ چلتا ہوا ان کا جوان ہوتا بیٹا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں کب بدلی تھیں انہیں پتا نہیں چلا تھا لیکن

www.dailyurdubooks.com

انہیں محسوس آج ہوا تھا۔

☆☆☆

گیارہ سال کا مظفر کب نوجوانی کی دہلیز پار کر کے ایک خوب صورت، لمبا چوڑا اور کڑیل جوان بنا انہیں پتا ہی نہیں چلا۔

الفت بھی ایک ڈری سہمی لڑکی سے ایک سوبر اور دبنگ شخصیت بن چکی تھیں۔ اسکول میں اگرچہ وہ اب بھی ٹیچر ہی تھیں لیکن ان کی اہمیت پرنسپل سے بھی زیادہ تھی۔ کیونکہ انہیں ٹیچنگ کرتے ہوئے اٹھارہ برس گزر چکے تھے۔

مظفر کی ایک پرائیویٹ کمپنی میں اچھی پوسٹ پر جاب لگے ایک سال گزرا تو الفت کے دل میں اس کے سر پر سہرا سجانے کی امنگ جاگی۔ انہوں نے اس کا ذکر مظفر سے کیا تو اس نے بلا جھجک اپنی پسند اپنی ماں کو بتا دی۔ وہ اپنے منیجر کی بیٹی کو پسند کرتا تھا۔ الفت کو اس کی پسند پر کوئی اعتراض نہ تھا لیکن انہیں تشویش لاحق ہوئی کہ ایک امیر کبیر باپ کی بیٹی ان کے عام سے دو کمروں پر مشتمل گھر میں رہ پائے گی بھی کہ نہیں؟ انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار مظفر سے کیا تو وہ انہیں تسلی دیتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"سامعہ ایک سمجھدار لڑکی ہے وہ ہر حالات میں مینج کرنا جانتی ہے۔"

دل ہی دل میں اگرچہ وہ خود بھی پریشان ہوا تھا۔ اس کی پسند سے سامعہ کے سب گھر والے اچھی طرح واقف تھے۔ اس کے منیجر سمیت کسی کو بھی اس رشتے سے اعتراض نہیں تھا۔ اس کے اچھے رکھ رکھاؤ اور اخلاق کی وجہ سے منیجر اسے اپنے بیٹے جیسا ہی سمجھتے تھے۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں ان دونوں کی شادی کی بات بھی ہو چکی تھی۔ مظفر کو انتظار ماں کی طرف سے پہل کا تھا کہ وہ اس کی شادی کے ارادے اس پر ظاہر کریں تو وہ بھی اپنی پسند بتا دے۔

سامعہ یا اس کے کسی بھی گھر والے سے اس موضوع پر بات نہیں ہوئی تھی کہ وہ شادی کے بعد سامعہ کو کہاں رکھے گا۔

مظفر نے سب سے پہلے اپنے منیجر ابدال احمد سے بات کی تو انہوں نے اٹھ کر یہ کہتے ہوئے مظفر کو گلے لگا لیا تھا۔

"مجھے تم پر فخر ہے مظفر، کہ دنیا میں اب بھی ایسے بیٹے موجود ہیں جن کے لیے ماں کی پسند ناپسند اور خواہشات اتنی اہمیت رکھتی ہیں۔ جہاں تمہاری امی چاہیں گی سامعہ وہیں رہے گی۔"

مظفر ابدال احمد کا دل سے مشکور ہوا تھا۔ لیکن سامعہ نے اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ اسے اس بات کا دکھ ہوا تھا کہ مظفر نے اس بات کا مشورہ خود اس سے کیوں نہیں کیا کیونکہ اس کا ارادہ گاؤں میں رہنے کا نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے کبھی بھی مظفر سے اس ٹاپک پر بات نہیں کی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ امن و امان سے ان کی شادی ہو جائے پھر وہ مظفر کو شادی کے بعد منا ہی لے گی شہر میں رہنے کے لیے۔

اس نے اپنی ان دیکھی ساس سے بلاوجہ کا ہی بیر باندھ لیا تھا۔ اس نے دل میں ٹھان لی تھی کہ وہ اس عورت کو ضرور مزا چکھائے گی جو ابھی سے اس کی راہ کا کانٹا بن رہی تھی۔ اس کے لیے اس نے ایک لائحہ عمل بھی تیار کر لیا۔ اس لائحہ عمل کی پہلی کڑی شادی سے پہلے ڈسٹ الرجی کا ناٹک کرنا تھی۔

شادی کے اگلے دن سے اس نے اپنے رنگ دکھانا شروع کر دیے تھے۔ مظفر کے سامنے الفت کے آگے پیچھے گھومتی رہی اور اس کے جانے کے بعد الفت کو زچ کر کے رکھ دیتی۔ نہ کسی کام میں ان کی مدد کرواتی اور نہ ان کے ہاتھ کا کھانا کھاتی کہ مجھے یہ جاہلوں والے کھانے پسند نہیں۔

الفت ہنس کر اس کی ہر بات ٹال جاتیں۔ وہ ابھی تک یہ سمجھ رہی تھیں کہ سامعہ پر بچگانہ پن غالب ہے اس لیے انہوں نے اس سب کا ذکر مظفر سے بھی نہیں کیا۔ لیکن آج سامعہ کی باتیں سن کر انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ انہیں بے وقوف بناتی آئی تھی۔

انہیں لگ رہا تھا کہ سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اگر وہ پہلے ہی مظفر سے اس کے بارے میں

www.dailyurdubooks.com

بات کر لیتیں تو شاید آج صورت حال کچھ اور ہوتی۔ انہیں اپنی تربیت پر بہت ناز تھا کہ مظفر انہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا لیکن وہ شاید غلط تھیں۔

پتا نہیں کیا کچھ کہہ کر اس کل کی آئی لڑکی نے ان کے بیٹے کو اپنا تابعدار کر لیا تھا۔ انہیں خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ کیا پھر سے تنہائیاں ان کا مقدر بننے والی تھیں؟

اگرچہ اب وہ چوبیس سالہ ڈری سہمی الفت نہیں تھیں بلکہ ایک مضبوط، دبنگ اور سوبر عورت میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ لیکن تنہائیوں کا سوچ کر انہیں آج بھی خوف آتا تھا۔

☆☆☆

"امی جان! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ میں نے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

وہ الماری میں کپڑے سیٹ کر رہی تھیں جب مظفر نے دروازے میں آ کر اجازت طلب کی۔ وہ اسی وقت الماری بند کر کے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"ہاں کہو، کیا بات کرنی ہے؟" الفت نے دل پر پتھر رکھ کے اجازت دی تھی ورنہ تو وہ جانتی تھیں کہ مظفر نے کیا بات کرنی ہے۔ مظفر ساتھ بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"امی! جانتا ہوں آپ کو اس گھر سے کتنا پیار ہے۔ ابو کی ڈیتھ کے بعد آپ نے کتنا مشکل وقت کاٹا ہے۔ جہاں سب نے ساتھ چھوڑ دیا تھا وہاں اس گھر نے ہمیشہ آپ کو اپنی آغوش میں سمیٹے رکھا۔"

وہ بات کرنے کے لیے نجانے کیوں تمہید باندھ رہا تھا۔ الفت چاہتی تھیں کہ وہ جلد سے جلد بات ختم کر دے۔

سامعہ بھی خاموشی سے آ کھڑی ہوئی تھی۔

رات ہی مظفر نے اسے کہا تھا کہ کل کا دن تمہارے لیے بہت بڑا سرپرائز لانے والا ہے۔"

"امی! آپ جانتی ہیں کہ سامعہ کو ڈسٹ الرجی ہے یہ اس کھلے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔"

تو یہ مدعا کی بات پر آ ہی گیا۔

"اس مہینے مجھے ڈبل سیلری ملنی ہے کچھ میں نے ایڈوانس لینا ہے کمپنی سے۔ ایک دو کمیٹیاں بھی نکلنی ہیں، میری اس مہینے....." اس نے ہلکا سا وقفہ لیا اور اٹھ کر ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گی کہ میں اس گھر کو نئے سرے سے بنا سکوں تاکہ اس میں آسانی سے گرد غبار کا آنا ممکن نہ ہو۔" وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے جھکے سر کے ساتھ ملتجائیہ اجازت طلب کر رہا تھا۔

الفت کو ایک پل کو تو لگا کہ انہوں نے غلط سنا ہے۔ لیکن انہوں نے بہت جلد خود پر قابو پا لیا۔ اپنا آپ کسی پر عریاں نہ کرنا انہوں نے ان گزرے سالوں میں سیکھ لیا تھا۔

واہ ری الفت بتو تو خود کو بہت مضبوط سمجھتی تھی تف ہے تمہاری سوچ پر کہ اپنی ہی تربیت کو نہ پہچان پائی۔

"امی! سامعہ بھی میری ذمہ داری ہے۔ اسے مسئلہ بنا ہوا ہے ورنہ میں کبھی بھی اس گھر میں تبدیلی لانے کا نہ سوچتا۔ اگر آپ خوشی سے اجازت دیں تو میں یہ سب کروں گا ورنہ نہیں۔"

وہ ابھی بھی جھکے سر کے ساتھ بول رہا تھا لیکن وہ سن کہاں رہی تھیں اندر تو دل و دماغ دونوں مل کر انہیں لعن و طعن کر رہے تھے۔

اور ادھر سامعہ ابھی تک انگشت بدنداں تھی کہ مظفر کیا کہہ رہا تھا؟ وہ تو اتنے دن سے ڈسٹ الرجی کا ناٹک کر کے مظفر کو شہر میں شفٹ ہونے پر اکسا رہی تھی۔ مظفر ہر بار ہی اس سے کہتا رہا کہ "بہت جلد میں تمہارے لیے ایسا محل پیش کروں گا کہ تم عش عش کر اٹھو گی۔"

اس یک طرفہ اور سرد مہری کی جنگ کو وہ ہار چکی تھی اور ایک ماں بغیر لڑے ہی جیت چکی تھی۔

"ہاں میں نے اپنے بیٹے کو اجازت دی۔" انہوں نے آگے کو جھک کر اس کے ماتھے پر بوسہ لیا۔"

"تھینکس امی جان! آپ بہت گریٹ ماں ہیں۔" اب مظفر ان کے ہاتھ کا بوسہ لے رہا تھا۔

سامعہ نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا اور اس منظر سے نظریں چرا گئی۔

☆☆

www.dailyurdubooks.com
URDU BOOKS